بحث ونظر

ملتِ ابراہیمی اور اسلام

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی توحید، خدا پرستی اور اطاعتِ الٰہی سے عبارت تھی۔ اس وقت کا معاشرہ شرک کی آلودگیوں میں لت پت تھا۔ آپ نے توحید کی صدا بلند کی، شرک اور مظاہر پرستی سے اپنی برات کا اعلان کیا اور اپنی قوم کو اللہ واحد کی عبادت اور اطاعت کی دعوت دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ فریضۂ منصبی نہ صرف یہ کہ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک انجام دیتے رہے بلکہ آپ نے اپنی اولاد کو بھی اس کے لیے تیار کیا کہ وہ ان کے بعد اس مشن کو جاری رکھ سکیں اور تشنگانِ حق وصداقت کی پیاس بجھا سکیں۔ آپ کی کوششوں سے دعوتِ توحید کو ایسی نمایاں اور امتیازی حیثیت مل گئی کہ آپ کے بعد بھی جو چاہے اس کی طرف رجوع ہو سکے اور اس کے سایۂ عاطفت میں جگہ پا سکے۔ ارشاد باری ہے:۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ٥ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ٥ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ٥ (الزخرف: ۲۶-۲۸)	یاد کرو وہ وقت جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ تم جن کی بندگی کرتے ہو میرا ان سے کوئی تعلق نہیں میرا تعلق صرف اس سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا، وہی میری رہنمائی کرے گا اور ابراہیم یہی کلمہ اپنے بعد کے لوگوں میں چھوڑ گیا تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے درمیان توحید

کا اعلان کیا اور شرک سے برارت ظاہر کی ۔ انھوں نے اپنے قول وعمل اور تعلیم وتذکیر سے اپنے اس اعلان برارت کو ایک پائیدار روایت کی حیثیت دے دی تاکہ بعد کے لوگوں کے قدم جب بھی راہِ راست سے ذرا ہٹیں، یہ کلمہ ان کی رہنمائی کے لیے موجود رہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو بھی صراحت سے تاکید کی کہ وہ اللہ کے دین پر قائم رہیں اور جیتے جی اس سے سرمو انحراف نہ کریں۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (البقرۃ: ۱۳۲)	اسی طریقے پر چلنے کی ہدایت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو کی تھی اور اسی کی وصیت یعقوب اپنی اولاد کو کر گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ "میرے بچو۔ اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند کیا ہے لہٰذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا۔"

اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ کی کس وصیت کی طرف اشارہ ہے؟ اس سلسلہ میں مفسرین سے دو اقوال منقول ہیں: ایک یہ کہ گزشتہ آیت (البقرہ ۔۱۳۱) میں یہ مذکور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ "مسلم ہوجا" تو انھوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور اس کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو بھی ایسے ہی اخلاص اور مکمل اطاعت و سرافگندگی کا حکم دیا تھا ۔ آیت میں ضمیر (ھا) کا مرجع کوئی متعین لفظ نہیں بلکہ پوری بات ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ گزشتہ سے پیوستہ آیت (البقرہ ۔ ۱۳۰) میں 'ملت ابراهیم' کا تذکرہ ہے 'ھا' کی ضمیر اسی کی طرف لوٹ رہی ہے ۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو اپنی ملت کے اتباع کا حکم دیا تھا۔[۱]

---

[۱] امام طبریؒ اور زمخشریؒ نے اول الذکر قول کو اختیار کیا ہے ۔ تفسیر جامع البیان ۔ دار المعارف مصر ۹۲/۳۔۹۴ ، کشاف ، مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ ۳۱۲/۱، ابن کثیرؒ ، بیضاویؒ اور رازیؒ وغیرہ نے دونوں اقوال ذکر کیے ہیں، البتہ رازیؒ نے قاضی (عبدالجبار) کے حوالے سے مؤخر الذکر قول کو راجح قرار دیا ہے اور اس کے وجوہِ ترجیح ذکر کیے ہیں۔ انھوں نے لفظ "وصّٰی" کے استعمال میں متعدد حکمتوں

ملتِ ابراہیمی اور انبیائے بنی اسرائیل

حضرت ابراہیمؑ کے بعد، آپ پر ایمان لانے والے آپ کی ملت پر عمل پیرا رہے اور آپ کی نسل نے بھی اس امانت کو حرزِ جان بنائے رکھا۔ وہ خود بھی توحید پر مضبوطی سے قائم رہے اور اپنی آئندہ نسلوں کو بھی اسی کی وصیت کرتے رہے۔ گزشتہ آیت (البقرہ: ۱۳۲) میں صراحت ہے کہ توحید پر قائم رہنے اور صرف اللہ کے سامنے سر جھکانے کی جو وصیت حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو کی تھی وہی وصیت ان کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنی اولاد کو کی تھی۔ اس کی مزید تفصیل اگلی آیت میں مذکور ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ	پھر کیا تم اس وقت موجود تھے
حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ	جب یعقوب اس دنیا سے رخصت
لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِىْ	ہو رہا تھا؟ اس نے مرتے وقت
قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ	اپنے بیٹوں سے پوچھا: میرے بعد
اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ	تم کس کی بندگی کروگے؟ ان سب نے
اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ	جواب دیا "ہم اسی ایک خدا کی بندگی
وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ	کریں گے جسے آپ نے اور آپ
(البقرہ: ۱۳۳)	کے بزرگوں ابراہیمؑ، اسمٰعیل اور اسحاق
	نے خدا مانا ہے اور ہم اسی کے مسلم ہیں"

اس آیت سے نہ صرف یہ کہ اولادِ یعقوب کے، توحید پر قائم رہنے کے عزم کا اظہار ہوتا ہے بلکہ اس میں اس کی بھی صراحت موجود ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد ان کی اولاد ـ حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ ـ بھی اس پر قائم اور اس کی داعی رہی۔ افسوس کہ یہود کے صحیفے اس اہم تاریخی واقعہ کے تذکرہ سے خاموش ہیں۔

= کی جانب بھی اشارہ کیا ہے۔ دیکھئے تفسیر ابن کثیر، المکتبہ التجاریۃ الکبریٰ مصر ۱۹۳۷ء ۱/۱۸۵، تفسیر بیضاوی کتب خانہ رحیمیہ دیوبند ۱/۱۰۸، تفسیر کبیر، المطبعۃ العامرۃ مصر ۱/۵۱۳

البتہ ان کی بعض تاریخی کتابوں میں اس کی صراحت ملتی ہے۔ گنز برگ کی قصص یہود میں حضرت اسحاقؑ کے بارے میں ہے:

"جب اسحاق نے دیکھا کہ ان کا وقت موعود آپہنچا تو انھوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ میں تمہیں خدائے تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں جس کی صفات علی، عظیم، قیوم، عزیز ہیں اور آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی ہر شئے کا خالق ہے کہ تم خوف اسی کا رکھنا اور عبادت اسی کی کرنا۔"[1]

اور حضرت یعقوبؑ کے بارے میں اس میں یہ صراحت ملتی ہے:

"یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا۔۔۔۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تم میں سے کوئی بت پرستی کا میلان رکھتا ہے۔ اس کے جواب میں بارہ بیٹوں نے کہا" سن اے اسرائیل۔ اے ہمارے رب، ہمارا خدا وہی خدائے لم یزل ہے جس طرح تیرا دلی ایمان ایک خدا پر ہے اسی طرح ہم سب کا دلی ایمان ایک خدا پر ہے۔"[2]

حضرت یعقوبؑ کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت یوسفؑ ملتِ ابراہیمی کی اتباع کا اعلان کرتے نظر آتے ہیں۔ جیل میں جب ان کے سامنے دو قیدیوں نے اپنے خواب بیان کرکے ان کی تعبیر جاننا چاہی تو انھیں ان کے سامنے توحید کی دعوت پیش کرنے کا مناسب موقع ہاتھ آیا اس وقت انھوں نے فرمایا:۔

اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّۃَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ۔ وَاتَّبَعْتُ مِلَّۃَ اٰبَآئِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْحٰقَ	واقعہ یہ ہے کہ میں نے ان لوگوں کا طریقہ چھوڑ کر جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں، اپنے بزرگوں، ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کا طریقہ اختیار کیا

---

[1] گنز برگ، قصص یہود ۲۱۶/۱ بحوالہ عبدالماجد دریابادی۔ تفسیر قرآن (تفسیر ماجدی) مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو طبع اول ۱۹۹۵ء ۲۵۸/۱

[2] گنز برگ۔ قصص یہود ۱۴۱/۲، بحوالہ سابق ۲۵۷/۱

وَيَعْقُوْبَ مَا كَانَ لَنَا اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ (یوسف: ۳۸،۳۷)

ہے ۔ ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں ۔ درحقیقت یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور تمام انسانوں پر ۔ مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی ذریت ملتِ ابراہیمی پر عمل پیرا رہی ۔ ان کے بیٹے اسحاقؑ، پوتے یعقوبؑ اور پرپوتے یوسفؑ سب اسی ملت کی اتباع کرنے والے اور اسی کی طرف دوسروں کو دعوت دینے والے تھے ۔

بعد میں بھی جو انبیاء بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے انھوں نے توحید کی دعوت دی، شرک اور دیگر معصیتوں میں مبتلا ہونے سے ڈرایا اور ملتِ ابراہیمی اختیار کرنے کی تاکید کی ۔ وہ اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلاتے یا اللہ سے دعا کرتے تو "ابراہیم، اضحاق اور یعقوب کا خدا" کہہ کر پکارتے تھے ۔ مثلاً بائبل میں حضرت موسیٰؑ کے بارے میں ہے :

"پھر خدا نے موسیٰ سے یہ بھی کہا کہ تو بنی اسرائیل سے یوں کہنا کہ خداوند تمہارے باپ دادا کے خدا ابرہام کے خدا اور اضحاق کے خدا اور یعقوب کے خدا نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے ۔ ابد تک میرا یہی نام ہے اور سب نسلوں میں اسی سے میرا ذکر ہوگا ۔ جا کر اسرائیلی بزرگوں کو ایک جگہ جمع کر اور ان کو کہہ کہ خداوند تمہارے باپ دادا کے خدا ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کے خدا نے مجھے دکھائی دے کر یہ کہا ہے کہ میں نے تم کو بھی اور جو کچھ برتاؤ تمہارے ساتھ مصر میں کیا جا رہا ہے اسے بھی خوب دیکھا ہے ۔"[1]

ایلیا نبی کی دعا یوں مذکور ہے :

"اور شام کی قربانی چڑھانے کے وقت ایلیا نبی نزدیک آیا اور اس نے کہا " اے خداوند ابرہام اور اضحاق اور اسرائیل کے خدا آج معلوم ہو جائے کہ اسرائیل میں تو ہی خدا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں

---

[1] خروج باب ۳: ۱۵-۱۶

نے ان سب باتوں کو تیرے ہی حکم سے کیا ہے..... [1]

حضرت داؤد نے بنی اسرائیل کو یوں نصیحت فرمائی:

"اے اس کے بندے اسرائیل کی نسل۔ اے بنی یعقوب جو اس کے برگزیدہ ہو، وہ خداوند ہمارا خدا ہے۔ تمام روئے زمین پر اس کے آئین ہیں۔ سدا اس کے عہد کو یاد رکھو اور ہزار پشتوں تک اس کے کلام کو جو اس نے فرمایا، اس عہد کو جو اس نے ابرہام سے باندھا اور اس قسم کو جو اس نے اضحاق سے کھائی، جسے اس نے یعقوب کے لیے آئین کے طور پر اور اسرائیل کے لیے ابدی عہد کے طور پر قائم کیا...." [2]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک موقع پر یہودیوں سے فرمایا جو ان کی مخالفت پر کمربستہ اور ان کی جان کے درپے تھے۔

"میں جانتا ہوں کہ تم ابرہام کی نسل سے ہو تو بھی میرے قتل کی کوشش میں ہو کیونکہ میرا کلام تمہارے دل میں جگہ نہیں پاتا۔ میں نے جو اپنے باپ کے ہاں دیکھا ہے وہ کہتا ہوں اور تم نے جو اپنے باپ سے سنا ہے وہ کرتے ہو"۔ انھوں نے جواب میں اس سے کہا ہمارا باپ تو ابرہام ہے۔ یسوع نے ان سے کہا اگر تم ابرہام کے فرزند ہوتے تو ابرہام کے سے کام کرتے۔ لیکن اب تم مجھ جیسے شخص کے قتل کی کوشش میں ہو جس نے تم کو وہی حق بات بتائی جو خدا سے سنی۔ ابرہام نے تو یہ نہیں کیا تھا" [3]

قرآن بھی یہی کہتا ہے کہ بعد کے انبیاء کی دعوت وہی تھی جو حضرت ابراہیم کی دعوت تھی:-

---

[1] سلاطین اول باب ۱۸ ۳۶

[2] تواریخ اول باب ۱۶ ۱۳-۱۷

[3] یوحنا باب ۸ ۳۷-۴۰۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَاۤ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۔ (آل عمران : ۸۴)[1]	اے نبی کہو کہ "ہم اللہ کو مانتے ہیں۔ اس تعلیم کو مانتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے ان تعلیمات کو بھی مانتے ہیں جو ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولادِ یعقوب پر نازل ہوئی تھیں اور ان ہدایات پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئیں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کی بنیادی تعلیم ایک ہی تھی جس دین کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے دعوت دی تھی اسی کی طرف ان کے بعد آنے والے تمام انبیاء نے بھی دعوت دی۔[2]

یہود کا ملتِ ابراہیمی سے انحراف

بنی اسرائیل ایک عرصہ تک ملتِ ابراہیمی پر قائم اور عمل پیرا رہے۔ ان کے عقائد صحیح اور اعمال نیک رہے۔ لیکن پھر ان میں انحرافات در آئے۔ وہ صراطِ مستقیم سے بھٹک گئے اور بداعمالیوں کا شکار ہو گئے۔ انھوں نے اپنے لیے جو شریعت ایجاد کی وہ یہودیت کہلائی اور اس پر ایمان لانے اور عمل کرنے والے یہود کہلائے۔ یہود اگرچہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے طریقے پر عمل پیرا ہیں لیکن ان کے عقائد و تصورات اور اعمال میں سے بہت سی چیزیں ملتِ ابراہیمی سے متصادم تھیں مثلاً:

---

[1] مزید دیکھئے النساء ۱۶۳، الشوریٰ ۱۳

[2] حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دعوت کیا تھی؟ اور ملتِ ابراہیمی کے ترکیبی عناصر کیا تھے؟ اس پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھئے راقم سطور کا مقالہ "ملتِ ابراہیمی کے ترکیبی عناصر" شائع شدہ مجلہ تحقیقات اسلامی جلد ۸ شمارہ ۱ جنوری تا مارچ ۱۹۸۹ء

۱۔ وہ جادۂ توحید پر قائم نہیں رہ سکے اور ہم سایہ مشرک قوموں کے اثر سے ان میں بھی شرک سرایت کر گیا۔ مظاہر پرستی کی جانب ان کے میلان کا اظہار حضرت موسیٰؑ کی زندگی ہی میں ہونے لگا تھا۔ ان کی ہم سایہ مصری قوم گائے کی پرستش کرتی تھی چنانچہ ان کے دلوں میں بھی اس سے عقیدت اور پرستش کے جذبات پروان چڑھ گئے (النساء۔۱۵۳) بعد کے ادوار میں بھی وہ شرک سے بالکلیہ محفوظ نہ رہ سکے حضرت عزیرؑ جنھیں ان کی مذہبی تاریخ میں اہم مقام حاصل تھا کیونکہ انھوں نے زوال و نکبت کے دور میں ان کی اصلاح اور تجدید کا فریضہ انجام دیا تھا، انھوں نے انھیں "اللہ کا بیٹا" قرار دے دیا تھا (التوبہ۔۳۰)

۲۔ انھوں نے ایمان بالرسالۃ کے تقاضے پورے نہیں کیے۔ حضرت موسیٰؑ ان کے سب سے بڑے محسن تھے مگر ان پر بھی انھوں نے بے اعتمادی کا اظہار کیا اور متعدد مواقع پر ان کے فرمان کو بے چوں چرا قبول کرنے کے بجائے کج بحثی کی ان کے بعد آنے والے انبیاء کے ساتھ بھی ان کا معاملہ یہ رہا کہ اگر ان کی لائی ہوئی تعلیمات ان کی خواہشات سے میل نہ کھائیں تو انھیں جھٹلاتے یہی نہیں بلکہ انھیں اللہ کے برگزیدہ بندوں کے قتل میں بھی عار نہ ہوا (البقرہ: ۸۷)

۳۔ ان کے عقیدۂ آخرت میں فساد آگیا تھا۔ انھوں نے یہ گمان کر لیا تھا کہ چونکہ وہ انبیاء کی نسل سے ہیں اس لیے اخروی زندگی میں سرخ روئی ان کا مقدر ہے بلکہ ان میں بعض فرقے ایسے تھے جو کھلم کھلا قیامت کا انکار کرتے تھے۔

۴۔ وہ عبادات سے بے پروا ہو گئے تھے اور انھوں نے نمازوں کا اہتمام ترک کر دیا تھا (مریم۔ ۵۹) اسی طرح ان میں مال و دولت کی شدید حرص پیدا ہو گئی تھی۔ دولت کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کے لیے انھوں نے بڑے پیمانے پر سودی کاروبار شروع کر رکھا تھا۔ (النساء۔۵۳۔ ۱۶۱)

۵۔ ملت ابراہیمی میں حج بیت اللہ کو بہت اہم مقام حاصل تھا۔ اس کی تعمیر میں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ حضرت اسماعیلؑ بھی شریک رہے تھے۔ یہود کو چونکہ حضرت اسماعیلؑ سے خاص پرخاش تھی اور وہ ان کی عظمت کے منکر تھے، اس لیے انھوں نے پوری کوشش کی کہ اس سے حضرت ابراہیمؑ کا بھی کوئی تعلق ظاہر نہ ہونے پائے۔

توریت میں حضرت ابراہیمؑ کا مفصل تذکرہ ہے لیکن کیا کبھی وہ مکہ کی بے آب وگیاہ وادی تشریف لے گئے تھے؟ اور کیا وہاں اللہ کی عبادت کے لیے کوئی گھر تعمیر کیا تھا؟ اس کے ذکر سے وہ خالی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے قصداً اسے نظرانداز کیا گیا ہو۔ توریت میں اس سلسلے میں گو اب بھی بعض اشارات پائے جاتے ہیں لیکن اس کے شارحین ومترجمین نے دانستہ انھیں چھپانے اور ان کو دوسرے معنی پہنانے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر بائبل کی کتاب زبور میں ہے:

"مبارک ہیں وہ جو تیرے گھر میں رہتے ہیں۔ وہ سدا تیری تعریف کریں گے .... وہ وادیٔ بکا سے گزر کر اسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں"[1]

صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی مخصوص وادی کی طرف اشارہ ہے اور یہ وادی کوئی اور نہیں بلکہ وادی بکہ (مکہ) ہے جس کا تذکرہ قرآن میں سورۂ آل عمران آیت ۹۶ میں بھی ہے۔ لیکن بائبل کے مترجمین نے اسے بجائے عَلَم کے، اسم نکرہ قرار دے کر اس کا ترجمہ 'رونے کی وادی' کر ڈالا۔[2]

اسی طرح بائبل میں حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت کے ذکر میں ہے:

"اور ابرام اس ملک میں سے گزرتا ہوا مقام سکم میں مورہ کے بلوط تک پہنچا .... اور اس نے وہاں خداوند کے لیے جو اسے دکھائی دیا تھا ایک قربان گاہ بنائی اور وہاں سے کوچ کر کے اس پہاڑ کی طرف گیا جو بیت ایل کے مشرق میں ہے"[3]

یہود مورہ کو بیت المقدس میں بتاتے ہیں۔ لیکن متعدد قرائن اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ 'مروہ' کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور بیت ایل سے مراد بیت اللہ (خانہ کعبہ) ہے[4]

---

[1] زبور ۸۴: ۴-۶

[2] تفسیر ماجدی اول ص: ۶۲۰

[3] پیدائش باب ۱۲: ۶-۸

[4] اس موضوع پر مولانا فراہیؒ نے تفصیل سے لکھا ہے۔ ملاحظہ کیجیے آں حضرتؐ کا سلسلۂ نسب اور اہل کتاب، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۹۱ء ص: ۲۰-۲۷۔ ذبیح کون ہے؟ ص: ۴۴-۵۶

۶۔ صحفِ ابراہیمی کی ایک اہم تعلیم یہ تھی کہ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے، اللہ کی بارگاہ میں محض حسب ونسب کچھ کام نہ آئے گا۔ بائبل کے صحیفوں میں بھی اس پر زور دیا گیا ہے (حزقی ایل باب ۱۸۔ ۲۰) لیکن یہود نے یہ مفروضہ قائم کرلیا تھا کہ چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی چہیتی قوم ہیں اور ان کا تعلق اس کے برگزیدہ بندوں کی نسل سے ہے اس لیے ان کے برے اعمال کا مواخذہ نہیں ہوگا یا اگر انھیں ان کی سزا ملی تو محض چند دن (البقرہ ۸۰ ، الاعراف۔ ۵۹)

نصاریٰ اور ملتِ ابراہیمی

یہود کی طرح نصاریٰ بھی ملتِ ابراہیمی سے گریزاں رہے۔ وہ بظاہر تو اس پر عمل پیرا ہونے کا دعویٰ کرتے لیکن حقیقت میں انھوں نے بہت سی باتیں اپنی طرف سے گھڑ لی تھیں جن کا ملتِ ابراہیمی سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔

۱۔ دیگر ثقافتوں اور فلسفوں سے تاثر کے نتیجے میں نصاریٰ شرک میں ملوث ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ نے انھیں توحیدِ خالص کی دعوت دی تھی اور خود کو اللہ کے بندے اور رسول کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ لیکن نصاریٰ نے خود ان کے معاملے میں غلو سے کام لے کر انھیں اللہ کا بیٹا، پھر ایک قدم آگے بڑھ کر 'الٰہ' بنا لیا۔ پھر روح القدس کو درجۂ الوہیت پر فائز کرکے 'باپ'، 'بیٹا'، اور روح القدس، تینوں کی الوہیت سے مرکب تثلیث کا عقیدہ وضع کرلیا۔ ان میں سے بعض فرقوں نے روح القدس کے بجائے حضرت عیسیٰ کی ماں مریم کو الٰہ بنا لیا۔ قرآن نے اس عقیدہ پر ان کی سرزنش کی:

وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا	اور نہ کہو کہ "تین" ہیں۔ باز آجاؤ۔ یہ
خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ	تمہارے ہی لیے بہتر ہے۔ اللہ
(النساء۔ ۱۷۱)	تو بس ایک ہی خدا ہے۔

۲۔ انھوں نے یہ عقیدہ پیش کیا کہ آدم نے جنت میں ممنوعہ درخت کا پھل کھاکر جس غلطی کا ارتکاب کیا تھا اس کی بنا پر ان سے ارادہ واختیار کی آزادی سلب کرلی گئی تھی اور وہ ابدی عذاب کے مستحق ہو گئے تھے۔ یہ غلطی تمام اولادِ آدم میں منتقل ہو گئی اور وہ سب بھی اس خطائے اصلی کی سزا کے مستحق قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی

رحمتِ کاملہ سے ان کو اس سزا سے بچانے کے لیے اپنے "بیٹے" کو جسم انسانی میں دنیا میں بھیجا جس نے صلیب پر جان دے کر تمام انسانوں کی طرف سے اس خطائے اصلی کا کفارہ ادا کر دیا۔

۲۔ ختنہ کو ملتِ ابراہیمی میں شعار کی حیثیت حاصل تھی۔ یہ اس عہد کی علامت تھا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی نسل سے باندھا تھا۔ لیکن نصاریٰ نے اس کی اہمیت ختم کر دی۔ گلتیوں کے نام پولس کے خط میں ہے:

> "اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا.... اور مسیح یسوع میں نہ تو ختنہ کچھ کام کا ہے نہ نامختونی، مگر ایمان جو محبت کی راہ سے اثر کرتا ہے"۔[۱]

ملتِ ابراہیمی اور اسلام

قرآن نے یہود اور نصاریٰ کی گمراہیوں پر ان کی سرزنش کی، ان کے بے بنیاد دعووں کی قلعی کھول دی اور انھیں ملتِ ابراہیمی کی حقیقی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا:

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَ مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (آل عمران - ۹۵)	تم کو ابراہیم کے طریقے کی پیروی کرنی چاہیے جو حنیف تھا اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کو ملتِ ابراہیمی کی ان حقیقی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا پڑے گا جن کی طرف آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دے رہے ہیں اور جو قرآن میں مذکور ہیں۔ نہ کہ ملت ابراہیمی کے نام پر ان مزعومات اور اوہام و خرافات سے چمٹے رہیں جو انھوں نے اپنی طرف سے گھڑ رکھی ہیں۔[۲]

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

وَقَالُوْا کُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی	یہودی کہتے ہیں: یہودی ہو تو راہِ راست

---

[۱] عہد نامہ جدید، گلتیوں باب ۵: ۲، ۶

[۲] تفسیر ابن کثیر ۱/ ۳۸۲۔ تفسیر کبیر ۳/ ۵

تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ	پاؤگے۔عیسائی کہتے ہیں: عیسائی ہو تو ہدایت
حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	ملے گی۔ان سے کہو "نہیں بلکہ ابراہیم کا
(البقرہ: ۱۳۵)	طریقہ جو حنیف تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

اس آیت میں ملۃ ابراھیم کے الفاظ سے قبل بعض مفسرین نے نتّبع اور بعض نے اتبعوا محذوف مانا ہے۔پہلی صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہود اور نصاریٰ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ ہدایت صرف ان کے مذہب میں محصور ہے۔ اہل ایمان اس کا یہ جواب دیں کہ "ہم یہودیت یا نصرانیت کے بجائے ملتِ ابراہیمی کے پیرو ہیں" دوسری صورت میں آیت کی تاویل یہ ہوگی کہ اہلِ کتاب کو یہ جواب دینے کا حکم دیا گیا کہ یہودیت یا نصرانیت اختیار کرنے سے ہدایت نہیں ملے گی بلکہ ملتِ ابراہیمی کی اتباع کرو تبھی راہ یاب ہو گے۔[1]

دوسری طرف مسلمانوں پر بھی واضح کر دیا گیا کہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے وہی دین مشروع کیا ہے جو اس نے اپنے پیغمبر حضرت ابراہیمؑ کے ذریعہ بھیجا تھا اور جسے پہنچانے کا حکم اس نے ان سے پہلے اور ان کے بعد آنے والے پیغمبروں کو دیا تھا۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ	اس نے تمہارے لیے دین کا
مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْ	وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے
اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا	نوح کو دیا تھا اور جسے (اے محمد) اب
بِهٖ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى	تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے
	بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم اور
(الشوریٰ:۱۳)	موسیٰ اور عیسیٰ کو دے چکے ہیں۔

خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بصراحت و تاکید حکم دیا گیا کہ ملت ابراہیمی کی پیروی کریں۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ	پھر ہم نے تمہاری طرف یہ وحی بھیجی کہ

---

[1] تفسیر طبری ۲/۱۰۲-۱۰۳، تفسیر کبیر ۱/۵۱۸۔مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے 'اتبعوا' محذوف مانا ہے اور اس کے وجوہ ترجیح ذکر کیے ہیں۔تدبر قرآن ۱/۳۰۳-۳۰۲

مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا	ابراہیم کے طریقے پر چلو جو حنیف تھا اور
كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (النحل ۱۲۳)	وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

آپؐ جس "صراط مستقیم" پر گامزن تھے اور جس دین کو لے کر تشریف لائے تھے وہ وہی تھا جس کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوت دی تھی۔

قُلْ اِنَّنِيْ هَدَانِيْ رَبِّيْٓ	اے نبی کہو میرے رب نے بالیقین
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دِيْنًا	مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے بالکل
قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا	ٹھیک دین جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں، ابراہیم
وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔	کا طریقہ جسے یکسو ہو کر اس نے اختیار کیا
(الانعام: ۱۶۱)	تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

ملتِ ابراہیمی اور اسلام کے مابین اتحاد واشتراک کے مختلف پہلوؤں کی جانب آئندہ سطور میں اشارہ کیا جاتا ہے۔

الف۔ اسلام اور ملتِ ابراہیمی دونوں کی روح ایک ہے

اسلام اور استسلام عربی زبان میں ہم معنی الفاظ ہیں۔ ان کے معنی ہیں انقیاد و اطاعت، خود سپردگی، اخلاص وغیرہ[1]۔ اسلام کو اسلام کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس دین کو قبول کرتے ہی انسان حق کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے۔ اپنی زندگی کے ہر ہر لمحہ میں اللہ کی رضا کا پابند ہوتا ہے اور اس سے سرِ مو انحراف اس کے لیے روا نہیں ہوتا۔ اسی معنی میں یہ لفظ قرآن میں بکثرت مقامات پر آیا ہے[2]۔ سورۂ بقرہ میں ہے:

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ	حق یہ ہے کہ جو بھی اپنی ہستی کو اللہ کی
لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ	اطاعت میں سونپ دے اور عملاً نیک
عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ	روش پر چلے اس کے لیے اس کے
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ	رب کے پاس اس کا اجر ہے اور
(البقرہ: ۱۱۲)	ایسے لوگوں کے لیے کسی خوف یا رنج کا موقع نہیں ہے۔

---

[1] لسان العرب ۱۲/۲۹۴۔ المفردات ص: ۲۴۰

[2] مثلاً: آل عمران۔ ۲۰، الانعام۔ ۷۱، لقمان۔ ۲۲۔ النمل۔ ۴۴۔ مومن۔ ۶۶ وغیرہ۔

اور ملتِ ابراہیمی کی روح بھی یہی اللہ کی اطاعت و فرماں برداری، اس کے لیے اخلاص اور اس کی بارگاہ میں خود سپردگی و ناصیہ فرسائی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی پوری زندگی سے اسی کی ترجمانی ہوتی ہے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی بے چوں وچرا تعمیل کی۔ اس کا ہر فرمان بجا لائے۔ تمام آزمائشوں میں پورے اترے اور اپنی تمام خواہشات کو رضائے الٰہی کا پابند بنا دیا تھا۔ قرآن نے اس چیز کو 'اسلام' سے تعبیر کیا ہے:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (البقرہ: ۱۳۱)

اس کا حال یہ تھا کہ جب اس کے رب نے اس سے کہا "مسلم ہو جا" تو اس نے فوراً کہا "میں مالکِ کائنات کا "مسلم" ہو گیا۔

اطاعت اور فرماں برداری کا نقطۂ عروج وہ منظر تھا جب حضرت ابراہیمؑ اشارۂ الٰہی پاتے ہی اپنے لختِ جگر کو قربان کرنے پر تیار ہو گئے تھے اور لختِ جگر نے بھی اس کے نفاذ کے لیے خود کو حوالے کر دیا تھا۔ قرآن نے اس کی منظر کشی یوں کی ہے:

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ۔ (الصافات: ۱۰۳)

جب ان دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کے اس روشن پہلو کی طرف اشارہ کرنے کے لیے قرآن نے آپ کی ایک صفت 'مسلم' بیان کی ہے:

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا (آل عمران: ۶۷)

ابراہیم نہ یہودی تھا نہ عیسائی۔ بلکہ وہ تو حنیف اور مسلم تھا۔

خانۂ کعبہ کی بنیادیں اٹھاتے وقت حضرت ابراہیمؑ نے بارگاہِ الٰہی میں جو دعا کی تھی اس میں یہ بھی تھا کہ مجھے اور میری اولاد کو 'مسلم' بنا اور ہماری نسل سے ایک مسلم امت برپا کر۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ

اے رب ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیع فرمان) بنا۔ ہماری نسل سے ایک

ایسی قوم اٹھا جو تیری مسلم ہو۔ (البقرہ: ۱۲۸)

یہ صرف حضرت ابراہیمؑ کا نجی معاملہ نہ تھا بلکہ ان کے بعد ان کی نسل سے آنے والے پیغمبروں نے بھی اپنی امتوں کو اسی 'صراط مستقیم' کی دعوت دی اور وہ امتیں جب تک حق کی شاہراہ پر گامزن رہیں اس زریں اصول کو سینے سے لگائے رہیں۔ حضرت یعقوبؑ نے زندگی کے آخری لمحات میں اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ "تم لوگ مرتے دم تک مسلم ہی رہنا (البقرہ۔۱۳۲) اور ان کے صاحبزادوں نے بھی کمال سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مسلم ہونے کا اظہار کیا تھا (البقرہ۔۱۳۲) اسی طرح حضرت عیسیٰ نے جب اپنی قوم میں اعلان کیا کہ اللہ کی راہ میں میرا کون مددگار ہے؟ تو ان کے مخلص پیروکاروں نے جواب دیا تھا۔

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ	ہم اللہ پر ایمان لائے۔ آپ گواہ رہیں کہ
وَ اشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ	ہم مسلم (اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دینے
(آل عمران: ۵۲)	والے) ہیں۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت و فرماں برداری ملت ابراہیمی کی روح ہے اور یہی اسلام کا بھی اصل الاصول ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا	اے ایمان لانے والو تم پورے
فِی السِّلْمِ کَآفَّةً ، وَلَا تَتَّبِعُوْا	کے پورے اسلام میں آجاؤ اور
خُطُوٰتِ الشَّیْطَانِ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ	شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا
مُّبِیْنٌ (البقرہ ۔ ۲۰۸)	کھلا دشمن ہے۔

ب۔ ملتِ ابراہیمی کے تمام عناصر اسلام میں باقی رکھے گئے ہیں

قرآن میں ملتِ ابراہیمی کی جو تفصیلات مذکور ہیں ان کے مطالعہ اور اسلامی احکام وتعلیمات سے ان کے تقابل سے واضح ہوتا ہے کہ ملتِ ابراہیمی کے تمام عناصر اسلام میں باقی رکھے گئے ہیں۔

۱۔ توحید ملتِ ابراہیمی کا سب سے اہم رکن ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا خاندان اور پوری قوم شرک میں ڈوبی ہوئی تھی۔ آپ نے اپنی دعوت میں توحید پر سب سے زیادہ زور دیا اور شرک پر سخت تنقید کی۔ قرآن میں آپ کی ایک صفت "حنیف" بیان کی گئی ہے۔ حنیف اس شخص کو کہتے ہیں جو ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق استوار کرلے۔ ایسے تمام مقامات پر جہاں حضرت ابراہیمؑ کے لیے لفظ 'حنیف' استعمال کیا گیا ہے وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ یا اس جیسے الفاظ بھی لائے گئے ہیں۔ اسلام میں توحید کی جو اہمیت ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ اس کی پانچ اہم بنیادوں میں سے ایک توحید ہے۔ شرک اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر ناپسندیدہ ہے کہ اس میں مبتلا شخص کی کسی حال میں مغفرت نہیں ہو سکتی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ	اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں
يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ	کرتا۔ اس کے ماسوا دوسرے جس قدر
ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۤءُ	گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے
(النساء: ۴۸)	معاف کردیتا ہے۔

۲۔ ملتِ ابراہیمی میں ہمیں رسالت اور آخرت کے عقائد بھی ملتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو دعوت دیتے ہوئے فرمایا کہ ہدایت پانے کے لیے ضروری ہے کہ جو کچھ وہ اپنے رب کی طرف سے لے کر آئے ہیں انھیں قبول کیا جائے اور ان کی اتباع کی جائے۔ اگر اس سے روگردانی کی گئی تو ایک دن ایسا آئے گا جب اس کے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا[۱]۔ ان دونوں عقائد کو اسلام میں بھی بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

۳۔ ملتِ ابراہیمی کی طرح اسلام میں بھی عبادات پر بہت زور دیا گیا ہے۔ نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ اور دیگر اعمالِ صالحہ سے متعلق احکام اور ترغیبات قرآن کریم کے بڑے حصے پر مشتمل ہیں۔ بعض آیات سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ چیزیں ملتِ ابراہیمی

۱ے ملتِ ابراہیمی میں رسالت اور آخرت کے عقائد کی تفصیل مقالہ "ملتِ ابراہیمی کے ترکیبی عناصر" میں بیان کی گئی ہے۔

میں بھی مشروع تھیں۔ سورۂ حج میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو رکوع
ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَ	اور سجدہ کرو۔ اپنے رب کی بندگی کرو
اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا	اور نیک کام کرو۔ اسی سے توقع کی
الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ	جا سکتی ہے کہ تم کو فلاح نصیب ہو۔ اللہ
وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ	کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے
هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ	کا حق ہے۔ اس نے تمہیں اپنے کام
عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ	کے لیے چن لیا ہے اور دین میں تم
حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيْكُمْ إِبْرَاهِيْمَ	پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ اپنے
(الحج: ۷۷-۷۸)	باپ ابراہیم کی ملت پر۔

ان آیات کے شروع میں رکوع اور سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ نماز سے عبارت ہے رکوع اور سجدہ جس کے اہم ارکان میں سے ہیں۔ 'وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ' کے ذریعے دیگر عبادات اور 'وَافْعَلُوا الْخَيْرَ' کے ذریعے تمام اعمال صالحہ کا حکم دیا گیا۔ اس کے بعد واضح کیا گیا کہ یہ تمام اعمال تمہارے لیے باعثِ مشقت نہیں ہیں بلکہ یہ تمہارے بس میں ہیں اور ان کی انجام دہی موجبِ فلاح وسعادت ہے۔ آخر میں ملتِ ابراہیمی کا تذکرہ کیا گیا۔ یہاں اس کے ذکر کی دو توجیہیں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ دین کے ان اعمال میں تمہارے لیے کوئی تنگی نہیں ہے جس طرح کہ ملتِ ابراہیمی میں کوئی تنگی نہیں تھی۔ ک (حرفِ تشبیہ) یہاں محذوف ہے جس کی وجہ سے ملۃ کو منصوب لایا گیا ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہاں 'الزموا' محذوف ہے۔ یعنی یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملت کے ارکان ہیں انھیں اختیار کرو[۱]

۴۔ ملتِ ابراہیمی میں 'ختنہ' کو شعار کا درجہ حاصل ہے۔ توریت کے مطابق اسے اس عہد کی ایک ظاہری علامت قرار دیا گیا تھا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے کیا تھا کہ اگر وہ توحید پر قائم رہے گی تو اسے زمین پر اقتدار عطا کرے گا[۲]

---

[۱] تفسیر طبری (قدیم ایڈیشن) جزء ۱۷/ ص: ۱۲۹-۱۳۰۔ تفسیر ابن کثیر ۳/ ۳۳۶

[۲] کتاب پیدائش باب ۱۷: ۹-۱۱

اسی لیے یہود کے نزدیک اس کی بہت زیادہ اہمیت تھی۔ غیر مختون شخص کو بے دین سمجھا جاتا تھا[۱] نصاریٰ نے اس شعار کو ترک کردیا اور اسے غیر ضروری قرار دے دیا۔ اسلام میں اس معاملے میں وہ شدت نہیں پائی جاتی جو یہود کے یہاں موجود تھی لیکن ختنہ کو خصالِ فطرت میں شمار کیا گیا ہے اور اس پر عمل کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

من الفطرۃ الختان[۲] اور فطرت میں سے ایک ختنہ ہے۔

ایک حدیث میں ختنہ کو سنت قرار دیا گیا ہے۔ حضرت اسامہ ہذلیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

الختان سنۃ للرجال[۳] ختنہ مردوں کے لیے سنت ہے۔

ج۔ فریضۂ حج

اسلامی عبادات میں ایک اہم عبادت 'حج' ہے۔ ملت ابراہیمی میں بھی اسے اہم مقام حاصل تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کی تعمیر کی، اسے توحید کے ایک مرکز کی حیثیت دی۔ طواف، اعتکاف اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لیے اسے پاک وصاف رکھا اور لوگوں میں حج کی منادی کی۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ	یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے ابراہیم
الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ	کے لیے اس گھر (خانہ کعبہ) کی جگہ
شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ	تجویز کی تھی (اس ہدایت کے ساتھ)
وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ	کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو
وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ	اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں

---

[۱] کتاب پیدائش باب ۱۷: ۱۴

[۲] صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب قص الشارب

[۳] مسند احمد ۵/ ۷۵۔

يَاتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ	اور قیام، رکوع وسجود کرنے والوں کے
ضَامِرٍ يَّاتِيْنَ مِنْ كُلِّ	لیے پاک رکھو اور لوگوں کو حج کے لیے
فَجٍّ عَمِيْقٍ	اذنِ عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس
	ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں
(الحج: ۲۶-۲۷)[1]	پر سوار آئیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے اعلانِ حج کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں حج کے ارکان ومناسک ادا کرکے عملی نمونہ بھی پیش کیا۔ ان کی منادی پر لوگوں نے لبیک کہا اور دور دراز مقامات سے ہر سال حج کے لیے آنے لگے۔ اس طرح حج ملتِ ابراہیمی کا ایک اہم رکن قرار پایا۔ بنی اسماعیل اس رکن کو مضبوطی سے تھامے رہے۔ ان کے دل میں خانۂ کعبہ کی عظمت باقی رہی اور وہ برابر ہر سال اس کا حج کرتے رہے۔ اگرچہ انھوں نے خانۂ کعبہ میں سیکڑوں بت بھی رکھ چھوڑے تھے اور طریقۂ حج میں بعض مشرکانہ چیزیں بھی داخل کرلی تھیں۔ زمانۂ جاہلیت میں حج کرنے والوں کو حنفاء کہا جاتا تھا گویا حنفیت پر عمل پیرا ہونے کا ایک مظہر حج کرنا تھا۔[2]

اسلام میں فریضۂ حج کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے اور خانۂ کعبہ کو صرف خدائے واحد کی عبادت کے لیے قائم ہونے والا، متعدد روشن نشانیوں کا حامل اور جائے امن قرار دیتے ہوئے اس کی زیارت کو فرض کیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے:۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ	بے شک سب سے پہلی عبادتگاہ
لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى	جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی
لِّلْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ	ہے جو مکہ میں واقع ہے۔ اس کو خیر و
مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ	برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں

---

[1] مزید دیکھیے البقرہ: ۱۲۵

[2] تفسیر طبری ۳/۱۰۶، اہل تفسیر میں ابن عباسؓ، مجاہدؒ، حسنؒ اور عطیہؒ نے حنفیت کی تشریح 'حج البیت' سے کی ہے۔ دیکھیے تفسیر طبری ۳/۱۰۴-۱۰۶

كَانَ اٰمِنًا وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ (آل عمران: ۹۶-۹۷)	کے لیے مرکزِ ہدایت بنایا گیا تھا۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔ ابراہیم کا مقام عبادت ہے اور اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا مامون ہوگیا۔ لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

اسلام میں حج کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ احادیث میں اسے افضل ترین اعمال میں شمار کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ کسی نے آپؐ سے سوال کیا: سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے جواب دیا: اللہ اور رسول پر ایمان۔ اس نے دریافت کیا: پھر؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد۔ اس نے پھر یہی سوال دہرایا تو آپ کا جواب تھا: "حج مبرور" (مقبول حج)[1]

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

الحج المبرور لیس له جزاء الا الجنة[2]	مقبول حج کی جزا بس جنت ہے

د۔ آخرت میں جزا و سزا کا دار و مدار انسان کے ذاتی اعمال پر ہے

ملتِ ابراہیمی کی ایک اہم تعلیم یہ تھی کہ دنیا میں انسان اپنے تمام اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ سورہ النجم میں صحفِ ابراہیمی کی جو تعلیمات نقل کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے: "اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى" (یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔) ملتِ ابراہیمی کی طرح اسلام میں بھی اس تعلیم کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناسک، باب فضل الحج المبرور

[2] موطا امام مالک کتاب الحج باب جامع ماجاء فی العمرۃ، صحیح بخاری، ابواب العمرۃ باب وجوب العمرۃ وفضلہا۔

قرآن اور سنت کا پورا ذخیرہ اس سے پر ہے۔ آیت کا یہ ٹکڑا "وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى" مزید چار مقامات پر آیا ہے[1] سورہ اسراء میں ہے:

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا	جو کوئی راہِ راست اختیار کرے اس
يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ	کی راست روی اس کے اپنے ہی لیے
ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا	مفید ہے اور جو گمراہ ہو اس کی گمراہی کا
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى	وبال اسی پر ہے۔ کوئی بوجھ اٹھانے
(الاسراء - ۱۵)	والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

سورہ انعام کی آخری آیات میں پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اعلان کا حکم دیا گیا کہ "مجھے میرے رب نے سیدھا راستہ دکھایا ہے، دین قیم، ملت ابراہیم ..... اس کے بعد ساتھ ہی یہ کہنے کی بھی ہدایت کی گئی:

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا	ہر شخص جو کچھ کماتا ہے اس کا ذمہ دار
عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ	وہ خود ہے۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا
اُخْرٰى (الانعام - ۱۶۴)	دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ملتِ ابراہیمی کے مجدّد

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کی دیواریں کھڑی کرتے وقت بارگاہِ الٰہی میں جو دعائیں کی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ میں نے اپنی جس اولاد کو اس وادی میں لا بسایا ہے اس کی نسل سے ایک رسول بھیج جو ان کی تعلیم اور تربیت کرے اور انھیں دین کی باتیں سکھائے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا	اے رب ان لوگوں میں خود انہی کی
مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ	قوم سے ایک رسول اٹھائیو جو انھیں
يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ	تیری آیات سنائے۔ ان کو کتاب اور
وَيُزَكِّيْهِمْ	حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں
(البقرہ: ۱۲۹)	سنوارے۔

---

[1] وہ مقامات یہ ہیں: الانعام - ۱۶۴ - الاسراء - ۱۵ - فاطر - ۱۸ - الزمر - ۷

یہ دعا بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئی اور خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ ٹھیک ٹھیک ملت ابراہیمی کی پیروی کریں۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ	پھر ہم نے تمہاری طرف یہ وحی بھیجی کہ
اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا	ابراہیم کے طریقے پر چلو جو اللہ کے لیے
(النحل - ۱۲۳)	یکسو تھا۔

یہود اور نصاریٰ نے ملتِ ابراہیمی میں اپنی مرضی کے مطابق تبدیلیاں کر لی تھیں اور اپنے خود ساختہ تصورات اور مزعومات کو ملتِ ابراہیمی کا نام دے دیا تھا۔ مثال کے طور پر انھوں نے دین داری کے نام پر بعض پاک چیزیں حرام کر لی تھیں اور اپنے اوپر ایسے بوجھ لاد لیے تھے اور ایسی پابندیاں عائد کر لی تھیں جن کی دین میں کوئی سند نہیں تھی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ملتِ ابراہیمی کی تجدید کریں۔ لوگوں نے خود سے جو طوق اور بیڑیاں پہن رکھی ہیں ان سے آزاد کر دیں اور جو بوجھ لاد رکھے ہیں انھیں اتار پھینکیں۔ سورۂ اعراف میں یہود و نصاریٰ کو "نبی اُمّی" پر ایمان لانے کی تلقین کرتے ہوئے اس کے جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں ان میں یہ اوصاف بھی ہیں:

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ	وہ (رسول) ان کے لیے پاک چیزیں
يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ	حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔
عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ	اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو
الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ	ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں
(الاعراف: ۱۵۷)	کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔

حضرت ابو امامہ الباہلیؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ وہ دنیا سے کٹ کر کچھ دن ایک غار میں رہنا چاہتا ہے جہاں کھانے پینے کی چیزیں موجود ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

انی لم ابعث بالیھودیۃ ولا	میں یہودیت یا نصرانیت کے ساتھ
بالنصرانیۃ ولکنی بعثت بالحنیفیۃ	نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ میری بعثت حنیفیت
السمحۃ [1]	کے ساتھ ہوئی ہے جس میں نرمی ہے۔

---

[1] مسند احمد ۵/۲۶۶

ایک دوسری روایت جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یومئذ لتعلم یھود ان	آج یہود کو جان لینا چاہئے کہ ہمارے
فی دیننا فسحۃ، انی	دین میں کشادگی ہے۔ میں حنیفیت کے
ارسلت بحنیفیۃ سمحۃ[1]	ساتھ بھیجا گیا ہوں جس میں نرمی ہے۔

ملتِ ابراہیمی سے اس تعلقِ خاص کی بنا پر آپ کی خواہش تھی کہ آپ کی نمازوں کا قبلہ حضرت ابراہیمؑ کا تعمیر کردہ گھر خانۂ کعبہ ہو۔ لیکن چونکہ شروع میں آپ کا معمول یہ تھا کہ جن معاملات میں آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی واضح رہنمائی نہ ہوتی ان میں آپ انبیاء سابقین کے طریقے پر عمل کرتے تھے چنانچہ قبلہ کے معاملے میں بھی آپ نے ایسا ہی کیا اور بیت المقدس کی جانب رخ کرکے نماز پڑھتے رہے۔ لیکن مکہ میں رہتے ہوئے آپ اس طرح نماز ادا کرتے تھے کہ بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں سامنے ہوتے تھے۔ مدینہ ہجرت کرنے کے بعد جب ایسا کرنا ممکن نہ رہا کیونکہ دونوں الگ الگ سمتوں میں پڑتے تھے تو قبلۂ ابراہیمی سے انقطاع آپ پر شاق گزرنے لگا اور آپ کے دل میں بار بار یہ خواہش ابھرتی تھی کہ کاش وحیِ الٰہی سے آپ کو خانۂ کعبہ کی جانب رخ کرنے کا حکم دے دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ خواہش پوری فرمائی اور تحویلِ قبلہ کا حکم دے دیا۔

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ	اے نبی یہ تمہارے منہ کا بار بار آسمان
فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً	کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں۔ لو ہم
تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ	اسی قبلے کی طرف تمہیں پھیرے دیتے
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	ہیں جسے تم پسند کرتے ہو مسجد حرام کی
(البقرہ: ۱۴۴)	طرف رخ پھیر دو۔

اسی طرح طریقۂ حج میں بھی آپؐ نے اصلاحات فرمائیں۔ لوگوں نے اس میں جو مشرکانہ اعمال داخل کر رکھے تھے یا دنیاوی اغراض و مصالح کی بنا پر جو تبدیلیاں

---

[1] مسند احمد ۶/ ۱۱۶۔ ۲۳۳

کر دی تھیں ان کو ختم کر کے صحیح طریقے پر حج کے مناسک بتائے اور ان پر خود عمل کر کے دکھایا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر جب انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر آپ کے ہمرکاب تھا، آپ نے حج کا عملی نمونہ پیش فرمایا اور حج کے مراسم و مناسک سے متعلق لوگوں کے سوالات کے جوابات دیے۔ ایک موقع پر آپ نے صحابہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

قفوا علیٰ مشاعرکم فانکم	اپنے مناسک سے متعلق واقفیت
علی ارث من ارث ابراھیم[1]	حاصل کرو۔ تم میراثِ ابراہیمی کے امین ہو۔

ملتِ ابراہیمی کی دعوت اسلام کی دعوت ہے

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے جو دین لے کر آئے وہ کوئی نیا اور انوکھا دین نہیں تھا بلکہ وہ انھی بنیادی تعلیمات پر مشتمل تھا جن کے ساتھ گزشتہ تمام انبیاء مبعوث ہوئے تھے اور جنھیں لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے تھے۔ دیگر انبیاء کے مقابلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتیاز یہ ہے کہ دنیا کے بڑے مذاہب میں اسلام کے ساتھ یہودیت اور عیسائیت کے پیرو بھی ان کی جانب شرفِ انتساب رکھتے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ایک جانب یہود و نصاریٰ اپنی تمام تر گمراہیوں کے باوجود اپنا سلسلہ حضرت ابراہیمؑ سے جوڑتے تھے اور اپنی بداعتقادیوں اور بداعمالیوں کے لیے ملتِ ابراہیمی سے سند لاتے تھے دوسری جانب مشرکینِ مکہ بھی حضرت ابراہیمؑ کو اپنا جدِ امجد کہتے تھے اور صریح شرک میں مبتلا ہونے کے باوجود خود کو ان کا پیرو بتاتے تھے۔ اس صورتِ حال میں ان تمام لوگوں کو ملتِ ابراہیمی کے اتباع کی دعوت دی گئی۔ اس کی حکمت یہ تھی کہ اس طرح ان پر یہ واضح کیا گیا کہ تمھیں جس چیز کی طرف دعوت دی جا رہی ہے اور جو تعلیمات پیش کی جا رہی ہیں وہ نئی اور اجنبی نہیں ہیں، بلکہ وہی ہیں جنھیں لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تھے۔ تم ان سے

---

[1] سنن ابوداؤد، کتاب المناسک باب موضع الوقوف بعرفہ۔ جامع ترمذی ابواب الحج باب ماجاء فی الوقوف بعرفات والدعاء فیہا۔ مسند احمد ۴/۱۳۷
۴/۱۳

اپنا تعلق جوڑتے ہو اور ان کی جانب انتساب پر فخر محسوس کرتے ہو لیکن ان کے بتائے ہوئے راستے سے منحرف ہو۔ حضرت ابراہیمؑ کا لایا ہوا دین وہی ہے جسے آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں۔ اسلام ملتِ ابراہیمی ہی کا دوسرا نام ہے۔ ملتِ ابراہیمی کے پیرو ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود اسلام کو قبول نہ کرنا اور اس سے روگردانی کرنا تو بڑی نادانی کی بات ہے۔ سورۂ بقرہ میں اللہ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ	اب کون ہے جو ابراہیم کے طریقے
اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ	سے نفرت کرے؟ جس نے خود اپنے
نَفْسَهٗ ؕ	آپ کو حماقت و جہالت میں مبتلا کر لیا
(البقرہ: ۱۳۰)	جو اس کے سوا کون یہ حرکت کر سکتا ہے؟

اس آیت کی تفسیر میں قتادہ، ربیع اور دیگر اہلِ تفسیر نے بیان کیا ہے کہ اس میں اشارہ یہود اور نصاریٰ کی طرف ہے جنھوں نے ملتِ ابراہیمی سے روگردانی اختیار کر کے یہودیت اور نصرانیت کے نام سے مذاہب گھڑ لیے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ملتِ ابراہیمی کے ساتھ مبعوث کیا تھا، لیکن ان لوگوں نے اسے قبول نہیں کیا تھا۔ اس پر ان کی سرزنش کی جا رہی ہے[۱]

قرآن کی بعض آیات میں اسلام کو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین قرار دیا گیا ہے۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک دین صرف
الْاِسْلَامُ (آل عمران: ۱۹)	اسلام ہے۔
وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ	اس فرماں برداری (اسلام) کے
دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ	سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا
(آل عمران: ۸۵)	چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

اسی بات کو دوسرے مقام پر دوسرے انداز سے یوں کہا گیا ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ	اس شخص سے بہتر اور کس کا طریقۂ زندگی

---

[۱] تفسیر طبری ۸۹/۳

أَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ	ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے آگے
مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ	سر تسلیم خم کر دیا اور اپنا رویہ نیک رکھا
حَنِيْفًا	اور ابراہیم کے طریقے کی پیروی کی جو
(النساء: ۱۲۵)	حنیف تھا۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: "اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ دین کون سا ہے؟ فرمایا: "الحنیفیۃ السمحۃ" (حنیفیت جس میں نرمی پائی جاتی ہے)[1]

معلوم ہوا کہ ملت ابراہیمی کی دعوت درحقیقت اسلام کی دعوت ہے۔ اسلام اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا وہ دین ہے جسے لے کر تمام انبیاء آئے تھے۔ بعد میں ان کے متبعین نے اپنی خواہشات کے مطابق ان میں تحریفات کر کے نئے نئے مذاہب ایجاد کر لیے۔ حضرت ابراہیمؑ بھی اسی دین کو لے کر آئے تھے۔ ان کے بعد ان کے ماننے والوں نے اس میں بہت سی تحریفات کر دی تھیں۔ یہودیت اور نصرانیت اسی دین کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تجدید کی اور اسے بے کم و کاست پیش کیا۔

---

[1] مسند احمد ۱/۲۳۶، صحیح بخاری کتاب الایمان باب الدین یسر (تعلیقاً)

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کی ایک اہم کتاب

ایمان و عمل کا قرآنی تصوّر

الطاف احمد اعظمی

○ ایمان و عمل کے مروجہ تصور کی کمزوریوں کی نشان دہی کرتی ہے۔ ○ قرآن و سنت کے نقطۂ نظر کی مدلل اور دلنشیں تشریح کرتی ہے۔ ○ ایمان و عمل کے تقاضے اور دنیا اور آخرت میں کامیابی کی راہ واضح کرتی ہے۔

آفسٹ کی طباعت۔ خوبصورت سرورق۔ صفحات ۲۸۰ قیمت ۲۵ روپئے لائبریری ایڈیشن ۳۰ روپئے

ملنے کا پتا: ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲